جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

رجب المرجب ۱۴۳۶ھ مئی ۲۰۱۵ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

کلمۃ الحق

مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

دفاع حرمین شریفین اور پاکستان

سعودی عرب اور پاکستان کے مابین اخوت ومحبت کا رشتہ صرف اقتصادی، تجارتی، سیاسی اور عسکری دوستی اور باہمی تعاون کا رشتہ ہی نہیں بلکہ ایک دینی ایمانی اور روحانی رشتہ بھی ہے، اس رشتے اور اخوت کا ہر موقع پر اور ہر جگہ دونوں طرف سے اظہار ہوتا رہا۔ پاکستان کی اقتصادی مشکلات ہوں یا پٹرول کی کمی کا مسئلہ، کشمیر کا مسئلہ ہو یا افغانستان کے امور، قیامت خیز زلزلہ ہو یا ہلاکت خیز سیلاب... مشکل کی ہر گھڑی میں سعودی عرب نے پاکستان کے لیے بڑے بھائی کا کردار ادا کیا۔ جتنا سعودی عرب کی جانب سے تعاون کیا گیا، اتنا تعاون کرنا سپر پاورز کے بس کی بات بھی نہیں۔

ہم جب پیچھے پلٹ کر دیکھتے ہیں تو ہمارے جملہ عسکری تجربات میں سعودی عرب کا حصہ نظر آتا ہے، ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر میں سعودی عرب کا تعاون دکھائی دیتا ہے، ہمارے سیاسی بحرانوں میں سعودی عرب ثالثی کا کردار ادا کرتا ہے، ہمارے دیس کے بچوں کو محنت مزدوری کے لیے سعودی عرب ایک مادر مہربان کی طرح اپنی آغوش میں لیتا نظر آتا ہے، ہمارے حاجیوں اور معتمرین کے سامنے سعودی بھائی دیدہ ودل فرش راہ کئے دکھائی دیتے ہیں۔

ہمارے ہاں سعودی عرب نے کتنے ہسپتال بنوائے، کتنی مساجد تعمیر کروائیں، کتنے سکول بنائے، زلزلہ زدہ علاقوں میں بسنے والوں اور سیلاب کی نذر ہوجانے والوں کی امداد اور بحالی کے لیے سعودی عرب میں شاہ عبداللہ کی جانب سے امدادی مہم شروع ہوئی تو سعودی عرب کے ننھے منے بچے اپنی جیب خرچی لاکر چندہ مہم میں ڈالنے لگے، سعودی خواتین نے اپنے زیورات تک پاکستانی مسلمانوں سے تعاون کے لیے نچھاور کیے، کسی

عالمی فورم پر سعودی عرب کی اخلاقی حمایت کی ضرورت پڑی تو سعودی عرب ہمیشہ پاکستان کے شانہ بشانہ نظر آیا۔ الغرض! ایسی منفرد دوستی کی مثال شاید ہی دنیا کے دیگر ممالک پیش کر سکتے ہوں۔

پاکستان نے بھی ہمیشہ اپنی بساط کے مطابق سعودی عرب سے دوستی کا فرض نبھایا۔ خاص طور پر حرمین شریفین میں جب کبھی امن وامان کا کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو پاکستان نے اسے اپنی ذمہ داری سمجھ کر سرانجام دیا اور پاک وطن کے شیر دل جوانوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر حرمین شریفین کا دفاع کیا۔ اس پورے عرصے میں کبھی سعودی عرب کی فیاضی پر کسی نے انگلی اٹھائی نہ پاکستان کی وفاداری کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا گیا، لیکن کچھ عرصے سے عالم اسلام میں طاغوتی طاقتوں کے ایماء پر شرانگیزی کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، ان کوششوں کو اخلاقی جواز مہیا کرنے والے موجودہ صورتحال میں بلاوجہ ابہام پیدا کر رہے ہیں۔

یاد رہے کہ اس وقت پاکستان کی طرف سے سعودی عرب کے لیے دفاعی تعاون کی جو بحث چل رہی ہے، اس کا تعلق صرف یمن سے ہے نہ شیعہ سنی لڑائی سے اور نہ ہی ایران سعودیہ کشمکش سے۔ اگر ایسا ہوتا تو پاکستانی فوجیں شام میں ظلم کی چکی میں پسنے والے مظلوم سنیوں کی حمایت کے لیے ضرور حرکت میں آتیں، پاکستان کی سرزمین پر پرا کسی وار لڑنے پر کسی شدید ردعمل کا اظہار کیا جاتا۔ اگر یہ شیعہ سنی لڑائی ہوتی تو بغداد اور فلوجہ میں لڑی جاتی... یہ قطعاً شیعہ سنی تنازعہ نہیں ہے اور نہ ہی پاکستان سے تعاون سنی یا شیعہ تناظر میں مانگا گیا ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آتی کہ اس معاملے کو کھینچ تان کر شیعہ سنی لڑائی کیسے قرار دیا جارہا ہے۔ جب یمن میں ایک شورش کو کچلنے کی بات کی جاتی ہے تو اس کو کسی تیسرے ملک اور کسی مکتب فکر پر حملہ کیوں کر تصور کر لیا جاتا ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ شورش راتوں رات تو نہیں برپا کی گئی، بلکہ اس کے پیچھے برسوں بلکہ

عشروں کی ریاضت ہے اس لیے جب پرائے معاملات میں مداخلت کی بات ہوگی، دوسری سرزمین میں دراندازی کا قضیہ زیر بحث آئے گا اور دوسروں کے خیمے میں سر داخل کرنے کا قصہ چھڑے گا تو اس کا آغاز موجودہ لڑائی سے نہیں ہوگا، بلکہ اس کے حقیقی پس منظر سے بات شروع ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس میں بہت سے پردہ نشینوں کے نام بھی آئیں گے اور بجا طور پر سوال پیدا ہوگا کہ سمندر پار سے آکر پرائی وارلڑنے والوں کے طرز عمل پر تو کوئی انگلی نہ اٹھے اور اپنی سرحدوں کے ساتھ ٹکراتی شورش کی موجوں کو پیچھے دھکیلنے والے موردالزام ٹھہریں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں کسی لشکر سے، کسی مسلح گروہ سے خطرہ محسوس ہو تو اس سے نجات حاصل کرنا پوری دنیا کا مسئلہ قرار دیا جاتا ہے، جیسے داعش سے دنیا کو خطرہ محسوس ہوا تو اس کے خلاف اتحاد تشکیل پایا، عرصے سے داعش کے خلاف کارروائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر داعش کے مسلح جنگجو باغی ہیں تو یمن کے حوثی کیا پھولوں کے ہار بیچنے میں مصروف عمل ہیں؟ داعش کے لیے اور پیمانے اور حوثی باغیوں کے لیے اور پیمانے کیوں بنا لیے جاتے ہیں؟

امریکا اپنی سلامتی کے لیے سات سمندر پار آکر افغانستان میں آتش وآہن کی بارش برسائے تو درست، عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادے تو کسی کو پروانہ ہو، اگر سعودی عرب اپنے ملک کی طرف بڑھنے والے سیلاب بلاخیز کو روکنے کے لیے یمن کی آئینی حکومت کی درخواست پر یمن کے باغیوں سے یمن اور خود سعودی عرب کو بچانے کی کوشش کرے تو قصوروار.... یہ دہرے معیار سمجھ سے بالاتر ہیں۔ باغیوں کو صرف اور صرف باغی سمجھنا چاہیۓ اور دہشت گردوں کو بلاتفریق دہشت گرد جاننا چاہیۓ، باغیوں اور دہشت گردوں کا نہ کوئی مسلک ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی مذہب، اس لیے باغیوں کو شیعہ سنی کے خانے میں بانٹنا اور دہشت گردی کو الگ الگ رنگ دینا افسوس ناک ہی نہیں بلکہ خطرناک

بھی ہے۔

اس وقت ہمیں اس صورت حال کو شیعہ سنی تناظر میں نہیں دیکھنا چاہئے، ظاہر ہے کہ دشمن کی کوشش ہوگی کہ وہ عالم اسلام کو شیعہ سنی بلاکوں میں تقسیم کر کے، انہیں باہم لڑا کر ادھ موا کر دے، اس لیے صرف یمن یمن کی رٹ لگانے کی بجائے یہ دیکھنا ہوگا کہ خرابی کا آغاز کہاں سے ہوا اور اس مہم جوئی اور شورش کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟

جب ہم تاریخی حقائق پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بعض ممالک میں آنے والے انقلاب اور پھر انہیں دوسرے ملکوں میں ایکسپورٹ کرنے کی جو پالیسی اختیار کی گئی اور بعض ممالک کی جانب سے جس قدر توسیع پسندانہ طرز عمل کا مظاہرہ کیا گیا، اسی توسیع پسندی اور ملکوں ملکوں انقلاب کا پرچم لہرانے کی سوچ نے اس وقت عالم اسلام کو فرقہ واریت، قتل وغارت اور کشت وخون کے عذاب سے دوچار کر رکھا ہے۔

اس لیے ٹھنڈے دل ودماغ سے عالم اسلام کے تمام ممالک خاص طور پر ترکی اور پاکستان کو اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ایران اور سعودی عرب کو مذاکرات کی میز پر بٹھانا ہوگا اور اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ عسکریت پسندی، پراکسی وارلڑنے کی خواہشات اور توسیع پسندی کے خواب کس نے کب اور کیوں دیکھنے شروع کیے، ان خوابوں اور منصوبوں نے عالم اسلام کو کس آزمائش سے دوچار کیا اور آنے والے برسوں میں اپنے ہاتھوں بوئے ہوئے یہ بیج کیا گل کھلائیں گے؟ ان بنیادی عوامل کا جائزہ لینے کے بعد ان کے تدارک کی منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔

سب سے زیادہ باعث حیرت امر یہ ہے کہ اس وقت قومی مفادات اور پاکستانی سوچ کا اظہار کرنے کی بجائے بعض عناصر پاک وطن سے زیادہ دوسرے ممالک سے وابستگی اور وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں۔

محبّ وطن، اعتدال پسند اور اہل علم سنی اور شیعہ دونوں حلقوں کو بھی اس صورتحال

کا سنجیدگی سے نوٹس لینا ہوگا کہ وہ مٹھی بھر عناصر جو تاریخ کے اس نازک موڑ پر پاکستان سے زیادہ بیرونی ممالک سے وفاداری کا اظہار کر رہے ہیں اور جو پاکستان میں شیعہ سنی کشیدگی اور محاذ آرائی کا راگ مسلسل الاپ رہے ہیں، کہیں وہ پاکستان میں بسنے والے محبّ وطن اہل سنت اور ملت تشیع کی پیٹھ میں خنجر تو نہیں گھونپ رہے۔

پاکستان اس اہم مرحلہ پر اپنے دینی، سیاسی، جغرافیائی، تزویراتی، اقتصادی اور عسکری مفادات اور مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ فیصلہ کرے، جس کے پاکستان کے مستقبل پر بہتر اثرات مرتب ہوں اور اس کے لیے پاکستان نہ کسی ملک کی ناراضی کی پرواہ کرے اور نہ ہی زمینی حقائق اور معروضی حالات سے نظریں چرانے والے غیر ملکی وکیلوں کے مسلکی وابستگی پر مبنی خدشات کو خاطر میں لائے، یاد رہے

ع لمحوں نے خطا کی تو صدیوں نے سزا پائی

(بشکریہ روزنامہ اسلام)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن عبدالله بن عمرقال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان احدكم اذامات عرض عليه مقعده بالغداة والعشى ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنةوان كان من اهل النارفمن اهل النارفيقال هٰذامقعدك حتىٰ يبعثك الله اليه يوم القيامة۔(رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مرجاتا ہے، تو ہر صبح وشام اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا مقام جو ہونے والا ہوتا ہے وہ ہر صبح وشام اس کے سامنے کیا جاتا ہے اور اس کو دکھلایا جاتا ہے) اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (اسی طرح صبح وشام) دوزخیوں کے مقامات میں سے (اس کا مقام اس کے سامنے کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا ہے تیرا مستقل ٹھکانہ (اور یہ اس وقت ہوگا) جبکہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائے گا قیامت کے دن۔

تشریح: قبر میں روزانہ صبح وشام جنتیوں کو اپنا مقام دیکھ کر جو غیر معمولی لذت ومسرت حاصل ہوا کرے گی، اور دوزخیوں کو دوزخ کا اپنا ٹھکانہ دیکھ کر روزانہ صبح وشام جو رنج وغم مزید ہوا کرے گا، اس دنیا میں کوئی اس کا اندازہ نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اہل جنت میں شامل فرمائے، آمین۔

عن عثمان رضى الله عنه انه كان اذاوقف علىٰ قبر بكىٰ حتىٰ يبل لحيته فقيل له تذكرالجنة والنارفلاتبكى وتبكى من هٰذافقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان القبراول منزل من منازل الآخرةفان نجامنه

فمابعده ایسرمنه وان لم ینج منه فمابعده اشدمنه قال وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مارأیت منظراًقط الاوالقبرافظع منه۔(رواه الترمذی وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (کہ ان کا حال یہ تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہوجاتی، ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ آپ جنت دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پا سکا، تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے اور زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔

نیز رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کسی قبر سے میرا گزر ہوتا ہے تو قبر کے بارے میں حضور ﷺ کے یہ ارشادات یاد آجاتے ہیں اور فکر وغم میں مبتلا کر کے مجھے رلاتے ہیں۔

عن عثمان رضی الله عنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذافزع من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروالاخیکم ثم سلوله بالتثبیت فانه الآن یسأل۔(رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہوجاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے اس بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو اور یہ بھی استدعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے کیونکہ اس وقت اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔

عن جابرقال خرجنامع رسول الله صلی الله علیه وسلم الیٰ سعدبن

معاذحين توفى فلماصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع فى قبره وسوى عليه سبح رسول الله صلى الله عليه وسلم فسبحناطويلاً ثم كبر فكبرنا فقيل يارسول الله لم سبحت ثم كبرت فقال لقدتضايق علىٰ هٰذاالعبدالصالح قبره حتىٰ فرجه الله عنه۔(رواه احمد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ کی وفات ہوئی، تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے جنازے پر گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کردی گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا، (آپ کو دیکھ کر آپ کے اتباع میں) ہم بھی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا، تو ہم بھی آپ کے اتباع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ اس وقت آپ کی اس تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرمادی، اور اس کی تکلیف دور کردی۔

تشریح: یہ سعد بن معاذ انصاری رسول اللہ ﷺ کے مشہور اور ممتاز اصحاب کرام میں سے تھے، غزوۂ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انہیں حاصل تھی۔ ۵ھ میں ان کا وصال ہوا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ: ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، اور آسمان کے دروازے ان کے لیے کھولے گئے، باوجود اس کے قبر کی تنگی کی تکلیف سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً ہی وہ اٹھالی گئی) اس میں ہم جیسوں کے لیے بڑا انتباہ اور بڑا سبق ہے، اللھم ارحمنا اللھم احفظنا۔

(از: معارف الحدیث)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

فرمایا مجھ کو اپنی حالت پر کبھی ناز اور تکبر نہیں ہوا اس وجہ سے کہ خدا جانے قیامت میں کیا معاملہ ہوگا، بس یہ ایک ہی خیال عصاء موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جو سب کو نگل جاتا ہے۔

فرمایا اکثر غیر مقلدی کے لوازم سے ہے سلف کے ساتھ بدگمانی اور پھر بدزبانی، ان کو یہی گمان رہتا ہے کہ سلف نے بھی حدیث کا خلاف کیا۔

فرمایا جب کسی پر حقیقت ظاہر ہو جاوے پھر تو قبول ہی کر لینا چاہئے گو رائے کے خلاف ہی ہو۔

فرمایا مولوی احکام داں کو کہتے ہیں عربی داں کو نہیں کہتے، عربی داں ابوجہل بھی تھا مگر لقب تھا ابوجہل نہ کہ عالم۔

فرمایا ''ابریز'' ایک بزرگ عبدالعزیز دباغ مصری کے مقالات وحالات کی کتاب ہے، یہ بالکل امی تھے مگر احادیث کی نہایت صحیح شرح کرتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھ کو کلام اللہ اور کلام رسول اور کلام امتی میں فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کا امتحان کرنے کیلئے ایک شخص نے حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا حافظوا علی الصّلوات والصّلوٰۃ الوسطٰی وصلوٰۃ العصر اس کو سن کر فرمایا صلوٰۃ العصر قرآن نہیں ہے۔ اس کا معیار یہ فرمایا کہ قرآن اور حدیث کے تلفظ کرنے کے وقت متکلم کے منہ سے ایک قسم کا نور نکلتا ہے، پھر اس نور میں فرق ہوتا ہے ایک قدیم ہے دوسرا حادث، پہلا نور قرآن کا ہے دوسرا حدیث کا اور امتی کے کلام میں وہ نور خاص نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ ان بزرگ کو ایک خاص ادراک بھی ہوتا تھا کہ ان کے تعلق کے لوگوں میں ایک کو دوسرے سے جیسا تعلق محبت وغیرہ کا ہوتا تھا کہ وہ محبت جائز ہے یا ناجائز وہ بھی مکشوف ہوجاتا تھا اور اس کی وجہ یہ بتلاتے تھے کہ مجھے ایسے دونوں شخصوں کے درمیان ایک ڈورا سا متصل معلوم ہوتا ہے، پھر اگر اس میں نور ہے تو ان کی محبت جائز ہے اور اگر اس میں ظلمات ہیں تو ناجائز ہے۔

ملفوظ بالا کے سلسلہ میں فرمایا مجھ کو بھی قرآن اور حدیث اور کلام سلف اور کلام متاخرین میں فرق معلوم ہوجاتا ہے۔

فرمایا ایک شخص نے شیخ سے خواہش کی کہ آپ تصرف سے میری اصلاح کریں، انہوں نے فرمایا کہ مجاہدہ کرو، اس سے طالب کے دل میں شیخ کی نسبت سوء ظن اور خلجان پیدا ہوا کہ شاید میرا شیخ ناقص ہے صاحب تصرف نہیں، شیخ کو کشف سے معلوم ہوگیا اس سے کہا کہ ایک مٹکا پانی کا بھر کر مسجد کے دروازہ پر رکھ دو اور خود ایک پچکاری لے کر بیٹھ گئے، جو شخص مسجد کے دروازے کے سامنے سے گزرتا اس پر پچکاری سے پانی پھینک دیتے وہ فوراً کلمہ پڑھنے لگتا، سینکڑوں ہندو کلمہ پڑھنے لگے، لیکن وہ اثر کچھ دیر بعد زائل ہوجاتا تھا، اس وقت وہ لوگ پھر ویسے ہی ہوجاتے۔ پھر مرید کو بلا کر فرمایا کہ دیکھا اللہ تعالیٰ نے کے ساتھ تصرف عطا فرمایا ہے لیکن تجھ کو بدوں مجاہدہ کے کچھ نہ ملے گا۔

اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تصرف سے صرف استعداد قریب پیدا ہوجاتی ہے، باقی کامیابی اپنے ہی کام کرنے سے ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا مٹی کا ڈھیلا سخت ہو تو اس پر پانی ڈال دینے سے آسانی سے ٹوٹ سکتا ہے، لیکن اگر اس کو گیلا ہونے کی حالت میں توڑا نہ گیا اور اسی حالت میں خشک ہوگیا تو وہ پھر ویسا ہی سخت ہوجائے گا۔ اب تو لوگ یوں چاہتے ہیں کہ کرنا کچھ نہ پڑے اور مزہ آنے لگے، اس راستہ میں مزہ بھی آتا ہے مگر اول اول تو مشقت ہی اٹھانا پڑتی ہے ع چند روزے جہد کن باقی بخند

مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ

ماہ رجب المرجب کے فضائل واحکام

بعد حمد وصلاۃ: ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ ماہ رجب ایک مبارک مہینہ ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ رجب کا مہینہ آتا تو آنحضرت ﷺ دعا مانگتے کہ اے اللہ! برکت دے ہمارے لیے رجب میں اور شعبان میں، اور پہنچا ہم کو رمضان تک۔ (بیہقی)

اور اس ماہ مبارک میں سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم الصلاۃ کو حق تعالیٰ جل شانہ نے معراج کا عظیم الشان رتبہ عطا فرمایا جو آنحضرت ﷺ کے سوا کسی پیغمبر کو نہیں ملا۔ یعنی اس انسانی جسم سمیت آپ مکہ معظّمہ سے بیت المقدس اور پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کو طے کر کے ایسی بارگاہ قرب تک پہنچے کہ جہاں بشر تو بشر کسی فرشتہ کی بھی رسائی نہ ہوسکی، حتیٰ کہ تمام ملائکہ کے سردار جبریل امین نے بھی سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر آگے بڑھنے سے معذوری کا اعتراف کیا۔ چنانچہ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام
بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یکسرِ موئے برتر پرم — فروغ تجلیٰ بسوزد پرم

اور بعض کم عقل لوگ جو کہتے ہیں کہ جسد عنصری کا آسمان پر جانا محال ہے، وہ ایک بے ہودہ بکواس ہے، افسوس ہے کہ وہ لوگ محال کے معنیٰ تو جانتے نہیں ویسے ہی اٹکل پچو جس چیز کو چاہا محال کہہ دیتے ہیں۔ اکثر یہ لوگ مستبعد کو محال کہہ دیا کرتے ہیں جس کو ان کی کم سمجھی اور ان کے لچر شبہات اور بے بنیاد دعوؤں کی تردید دیکھنے کا شوق ہو وہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دامت برکاتہم کا رسالہ ''انتبہات مفیدہ'' ضرور دیکھ لے جو اس مبحث میں نہایت جامع ہے اور اگر زیادہ تفصیل درکار ہوں تو اس کی شرح ''حل الانتبہات''

دیکھیں، جس میں جناب حکیم مولوی مصطفیٰ صاحب بجنوری (مقیم مکان ۹ محلّہ کرم علی، میرٹھ شہر) نے نہایت وضاحت کے ساتھ تمام شبہات کا قلع قمع کر دیا ہے۔ یہاں معراج شریف کے متعلق صرف ایک شعر لکھا جاتا ہے جس میں اس استبعاد کو بالکل دفع کر دیا جو عروج جسد کے متعلق نادانوں کو ہو گیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

تن او کہ صافی تر از جان ماست　　　اگر آمد وشد بیک دم رواست

اور جو شخص معراج شریف کی بابت پوری تحقیق کا شوق رکھتا ہو اس کو لازم ہے کہ ''تنویر السراج فی لیلۃ المعراج'' (نشر الطیب میں شامل ہے) کا مطالعہ کرے، جس میں حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے خوب مبسوط مضامین درج فرمائے ہیں، نقلی تحقیقات بھی ہیں اور شبہات کا عقلی جواب بھی، اور فوائد محکمیہ بھی تحریر فرمائے ہیں اور فوائد حکیمہ بھی۔ یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایسی نعمت عظمیٰ جس ماہ میں عطا ہوئی وہ یقیناً خاص فضیلت رکھتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ جو وقت فضیلت رکھتا ہو اس میں عبادت کرنا زیادہ درجہ ہے مگر یہ بھی مسلم ہے کہ فضیلت کی کوئی مقدار بدوں تصریح خدا اور رسول ﷺ معین نہیں ہو سکتی اور اسی طرح کسی عمل کی تعیین بھی موقوف ہے حکم خدا اور رسول ﷺ پر، پس اب دیکھنا چاہئے کہ اس ماہ کے متعلق جو اعمال مشہور ہیں ان کی بابت شریعت مقدسہ میں کیا حکم ہے؟ اس ماہ میں دو عمل مشہور ومروج ہیں۔ ایک رجبی اور دوسرے ہزارہ روزہ۔ ان دونوں کا الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

رجبی کا بیان

رجب کی ستائیسویں رات کو معراج شریف کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور دھوم دھام سے جلسے ہوتے ہیں جن میں فضول خرچی اور بے جا زینت اور ضرورت سے کہیں بڑھ کر روشنی وغیرہ ہوتی ہے۔ شریعت میں اس ہیئت متعارفہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ فضول خرچی وغیرہ کی صاف طور پر ممانعت اور سخت مذمت وارد ہوئی ہے اور اگر کوئی مجمع ان خرافات سے

پورا پرہیز رکھ کر کیا جاوے تب بھی کم از کم دن کی تعیین کا تو گناہ ہے ہی، کیوں کہ اس تذکرہ کے واسطے شریعت نے کوئی دن معین نہیں فرمایا۔

دوسرے قاعدہ ہے کہ اگر کسی غیرضروری فعل سے دوسرے لوگوں کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ ہو تو اس فعل کو بالکل ترک کر دیا جائے گا۔اس واسطے ترک منکرات کے باوجود بھی ایسی مجلسوں کی اجازت نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم ربیع الاول کے بیان میں مفصل لکھ چکے ہیں۔

اور بعض لوگ جو کہہ دیا کرتے ہیں کہ فضیلت کے ایام کا دھیان نہیں رہتا اور نہ فضیلت ذہن نشین ہوتی ہے جب تک کہ موقع پر اس کی تفصیل نہ کی جاوے،اس واسطے جن دنوں میں کوئی فضیلت ہو ان کا بیان خاص خاص موقعوں پر مفصل سنانے کی ضرورت ہے تا کہ بے خبر لوگوں کو پتہ لگ جائے اور جو پیشتر سے واقف ہیں ان کو یاددہانی ہوجائے۔ سواس کا ایک جواب تو وہی ہے جو بھی مذکور ہوا یعنی اگر اس یاددہانی سے کسی خرابی کا اندیشہ نہ ہوتا اور کوئی امر منکر بھی شامل نہ ہوتا تو اس میں فی نفسہ مضائقہ نہ تھا لیکن جب خرابی عقائد کی نوبت آ گئی تو منع کرنا لازم ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یاددہانی کے واسطے نہ کسی دن کو خاص کرنے کی ضرورت نہ کسی ہیئت خاصہ کی حاجت ہے نہ اہتمام مجمع کی،جب موقع ہو اہل علم اپنے طور پر وعظ وغیرہ میں ذکر کر دیں جیسا کہ شب قدر وغیرہ کے متعلق معمول ہے۔

غرض یہ کہ ذکر معراج شریف تو باعث ثواب ہے اور اس سے حضور ﷺ کی عظمت اور محبت بڑھتی ہے اور واقعہ معراج سے جو احکام معلوم ہوتے ہیں اور اس میں جو جو حکمتیں ہیں اگر ان کا بیان بھی کیا جاوے تو سونے پر سہاگہ ہوجائے،لیکن اس کے واسطے خاص ماہ رجب کی تخصیص کرنا بلکہ ستائیسویں شب کو لازم قرار دینا حدود شرعیہ سے تجاوز اور بدعت ہے،وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔

اوراگراس میں ریا، تفاخر اسراف وغیرہ شامل ہوجائیں تو ''کریلا اور نیم چڑھا'' کا مصداق بن جاتا ہے۔خوب سمجھ لو حق تعالیٰ فہم سلیم اور اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

ہزاری روزے کا بیان

عام لوگ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا ثواب ایک ہزار روزہ کے برابر سمجھتے ہیں، اسی واسطے اس کو ہزاری روزہ کہتے ہیں، مگر یہ فضیلت ثابت نہیں کیونکہ اکثر روایات تو اس بارے میں موضوع ہیں، اور بعض جو موضوع نہیں وہ بھی بہت ضعیف ہیں اس لیے اس روزہ کے متعلق سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جاوے۔

فضائل اعمال میں جو ضعیف روایت پر عمل جائز ہے اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس فضیلت کا اعتقاد نہ کرے، صرف احتمال کی بنا پر توقع رکھ کر عمل کرلے۔اگر کوئی شخص ہزار روزے کے برابر ثواب نہ سمجھے بلکہ ویسے ہی فضیلت کا دن ہونے کے سبب روزہ رکھے تو اس میں مضائقہ نہیں جیسا کہ ''شامی'' وغیرہ میں تصریح ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت ہے کہ وہ ۲۷/رجب کو روزہ رکھنے سے منع کرتے تھے حتیٰ کہ اس روز لوگوں کو ہاتھ پکڑ کر کھانا کھانے پر مجبور کرتے تھے، اس کی یہی وجہ ہے کہ عام طور پر کسی فعل کو کرنے سے عوام اس کو سنت ہی سمجھنے لگتے ہیں۔اس واسطے اس روزہ کا اہتمام ان روزوں کی طرح نہ کرنا چاہئے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، مثلاً محرم اور شب براءت کا روزہ۔

بعض لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ اس مہینہ میں تبارک کی روٹیاں بھی پکتی ہیں، سو اس کی شریعت میں کوئی بھی اصل نہیں، محض من گھڑت بات ہے، اس سے احتراز کلی لازم ہے۔بلا سند شرعی کسی بات کو باعث عذاب یا باعث ثواب سمجھنا احداث فی الدین اور گمراہی ہے۔خدا سب مسلمانوں کو تمام بدعات سے محفوظ رکھے، آمین۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب (قسط ۱)

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ اپنے متعلقین کے اصلاحی مکاتیب کا جواب بہت جلد عنایت فرمایا کرتے تھے اور جواب ایسا ہوتا کہ سالک کی تشفی ہوجاتی تھی۔ ذیل میں افادۂ عام کے لیے بعض وہ اصلاحی مکاتیب اوران کے جوابات جو ''حیات ترمذی'' میں شائع ہوچکے ہیں پیش کیے جارہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حال: کوئی کام مجھ سے نہیں ہورہا حضرت والا نے فرمایا تھا کہ قصد السبیل میں عالم مشغول کے جو معمولات ہیں انہیں کرتے رہیں مگر کیا کروں کچھ مصروفیت ہے اور زیادہ سستی۔

ارشاد: جب موقع ملے کرلیا کریں۔

حال: نہ تو رات کو تہجد پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے نہ ہی اہتمام کے ساتھ ذکر کرتا ہوں تھوڑا بہت نماز کے بعد چلتے پھرتے کرلیتا ہوں۔

ارشاد: عشاء کے بعد بنیت تہجد نوافل پڑھ لیا کریں، ذکر جس قدر جس وقت ہوکرلیا کریں بالکلیہ ترک سے بہتر ہے مالایدرك کله لایترك کله۔ اچھا ہے ناغہ کا فکر نہ کریں جس طرح ہوکرتے رہیں۔

حال: یہاں طلبہ سے واسطہ پڑتا ہے جن میں کچھ طلبہ خوبصورت ہوتے ہیں اور اچھی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں تو دل ان کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور محبت ہوجاتی ہے ان کا خیال ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتا ہوں مگر پھر بھی پوری طرح کامیابی نہیں ہوتی ذہنی پریشانی بھی ہوتی ہے غیر اللہ کی محبت دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی محبت کس طرح پیدا کروں۔

ارشاد: ان کی طرف توجہ کئے بغیر نیچی نگاہ سے کام لیں حکم یغضو امن ابصارھم پیش

نظر رہنا چاہئے فکر نہ کرنا چاہئے۔ نکالنے کی کوشش کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے مشاغل میں اتنا انہماک ہوجائے کہ دوسری طرف توجہ کا موقع ہی نہ رہے پریشانی کی ضرورت نہیں تدبیر اور دعا کی ضرورت ہے تدبیر اوپر لکھ دی ہے۔ رات کو مراقبہ کریں اور نعمائے الٰہیہ کا استحضار کریں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ رکھیں۔

حال: روزانہ مناجات مقبول کی ایک منزل پاؤ یا آدھ پارہ قرآن کریم کی تلاوت بھی ہوجاتی ہے چلتے پھرتے تھوڑا بہت ذکر بھی ہوجاتا ہے۔

ارشاد: وقت مقررہ پر ذکر زیادہ مفید ہے چاہے تعداد کم ہی رہے پابندی سے ہو۔

حال: رات کو سونے سے پہلے دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھنی شروع کی تھی وہ بھی کئی دنوں سے نہیں پڑھی جارہی سستی غالب ہے۔ عام طور پر فجر کی نماز بھی جماعت سے رہ جاتی ہے۔

ارشاد: پھر شروع کردی جائے اور ہمت سے کام لیں۔

حال: اس پر افسوس بھی ہوتا ہے مگر میں اپنی اس کمزوری پر قابو نہیں پاسکتا دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے۔

ارشاد: افسوس سے تدارک کی امید ہے سعی عمل کے ساتھ۔ دل سے دعا ہے۔

حال: احقر کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ حضرت والا سے اصلاحی تعلق کیلئے درخواست کروں امید کہ حضرت والا اصلاحی تعلق کو قبول فرما کر احسان عظیم فرماویں گے اگر مناسب سمجھیں تو کوئی تسبیح تجویز فرمادیں۔

ارشاد: بہشتی زیور کا ساتواں حصہ اور تبلیغ دین کا مطالعہ رکھیں اور اپنے امراض کو اس سے ملاتے رہیں تیسرا کلمہ کی تسبیح زیادہ پڑھا کریں ہر نماز کے بعد ایک تسبیح ہوجایا کرے۔

حال: توبہ اور گذشتہ گناہوں کے معاف ہونے کا کیا طریقہ ہے جس سے اطمینان حاصل ہو۔

ارشاد: کثرت استغفار اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر۔

حال: انسان حصول علم کے وقت کیا نیت کرے۔

ارشاد: صرف رضاء الٰہی مطلوب ہو۔

حال: نیت کے خالص ہونے کی کیا علامت ہے۔

ارشاد: کسی دنیوی غرض کا خیال نہ ہو حالات اس پر گواہ ہوں۔

حال: ہم درس ساتھیوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت غصہ آتا ہے تو کیا یہ تکبر کی علامت تو نہیں، حضرت والا سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

ارشاد: حضرت تھانوی کا وعظ ''الغضب'' دیکھو اس کا علاج اس میں ہے۔ دل سے دعا کرتا ہوں

حال: نماز میں خشوع وخضوع کی کیا تعریف ہے۔

ارشاد: قلب کا سکون نماز میں ہونا۔

حال: کیا نماز میں وساوس کا آنا خشوع وخضوع کیلئے مخل ہے۔

ارشاد: نہیں، وساوس کی طرف توجہ کرنا مخل ہے۔

حال: تعلیم کیلئے مدرسہ میں داخلہ لیا ہے یہ اسباق شروع ہیں۔ جلالین، تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ ہدایہ اخیرین، توضیح تلویح، شرح عقائد، میبذی، حماسہ، حضرت والا سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

ارشاد: حالات معلوم ہوئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ علم باعمل نصیب فرمائیں، والسلام

حال: حضرت تھانوی کا ملفوظ ہے کہ: تکبر میں جب غلو ہو جاتا ہے اور اس کی جڑ پختہ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع کر رہا تھا رونے کی صورت بنا کر گڑ گڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آ گیا تو اب گڑ گڑانا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے...... پس مخلوق کیلئے کسی عمل

عبادت کوترک کرنا تکبر ہے (فیض حسن واشرف ص۱۶۳) عرض ہے کہ اگر صورت بالا میں یہ خیال پیدا ہو کہ دیکھنے والا شخص مجھے بزرگ اور نیک خیال کرے گا جبکہ میں ایسا نہیں ہوں تو اگر اس خیال سے رونے کی حالت کو ترک کرے تو کیا پھر بھی تکبر ہے اور ایسی صورت میں مذکورہ ہیئت کا ترک مستحسن ہے یا اسی پر عامل رہے خواہ دل میں یہ وہمہ پیدا ہو کہ دیکھنے والا مجھے صالح سمجھے گا،

ارشاد: مذکور ہیئت کا ترک کرنا تو حضرت اقدس تھانوی کے فرمان کے مطابق تکبر ہے اس لئے اس حالت کو ترک نہ کرے اسی میں بنیت اخلاص مشغول رہے اور اس وہمہ کی طرف التفات نہ کیا جائے، یہ تو ہر عبادت میں رکاوٹ بن سکتا ہے مخلوق کیلئے نہ عبادت کرے اور نہ چھوڑے اپنی حالت پر گامزن رہے۔

حال: احقر کا حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق تھا حضرت ڈاکٹر صاحب کے وصال کے بعد احقر کچھ پریشان تھا کہ اب کس سے تعلق قائم کیا جاوے، چنانچہ احقر نے حضرت مولانا......صاحب سے اسی سلسلہ میں مشورہ لیا تو انہوں نے آنجناب کا نام گرامی منتخب فرمایا اور تھوڑا سا تعارف بھی کرایا جی چاہتا ہے کہ آپ سے اپنی اصلاح کے بارہ میں خط وکتابت شروع کردوں امید ہے کہ آپ مہربانی فرماتے ہوئے اجازت فرماویں گے۔

ارشاد: بہتر تو یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے متوسلین میں سے کسی خلیفہ مجاز سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے تا کہ وہ مناسبت قائم رہے جو حضرت سے ہو چکی تھی لیکن اگر احقر سے ہی کوئی مشورہ لینے کو دل چاہتا ہے تو احقر بھی اس خدمت کیلئے اپنی حیثیت کے موافق حاضر ہے مربی اور شیوخ تو واسطۂ فیض ہیں اصل فیض رساں تو حق تعالیٰ جل شانہ ہی ہیں وہ اپنے فیض کے پہنچانے کیلئے جس کو چاہتے ہیں واسطہ بنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہی دعا مانگنی چاہئے کہ وہ صحیح راہنمائی فرماویں۔ والسلام (جاری.........)

مرسلہ: مفتی سجاد حسین زیدمجدہم

حج کے بارے میں کچھ گزارشات

افادات: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

آج کل حج پر جانے کے خواہش مند حضرات سے درخواستیں وصول کی جارہی ہیں، اس سلسلے میں حج پالیسی کا اعلان ہو چکا ہے....اس موقع پر بعض قارئین نے خط کے ذریعے توجہ دلائی ہے کہ حج کی فرضیت کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں، اگر ایک مضمون کے ذریعے ان کا ازالہ کر دیا جائے تو مفید ہوگا، اس فرمائش کی تعمیل میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

(۱) حج کے بارے میں بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھاپے میں کرنے کا کام ہے، لہٰذا جب تک اچھی خاصی عمر نہ گزر جائے، لوگوں کا دھیان ہی نہیں ہوتا کہ اس فریضے کی ادائیگی کرنی چاہئے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حج کا کسی خاص عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس طرح نماز اور روزہ بالغ ہوتے ہی انسان کے ذمہ فرض ہو جاتے ہیں، اور اگر انسان صاحب نصاب ہو تو زکاۃ بھی فرض ہو جاتی ہے، اسی طرح بالغ ہونے کے بعد جب بھی کسی شخص کو اتنی استطاعت حاصل ہو کہ وہ حج کر سکے، اس پر فوراً حج فرض ہو جاتا ہے، قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ حج ہر اس شخص پر فرض ہے جو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو اس استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے پاس مکہ مکرمہ آنے جانے اور وہاں قیام وطعام وغیرہ کا ضروری خرچ موجود ہو۔

نیز اگر وہ اہل وعیال کو وطن میں چھوڑ کر جا رہا ہے تو ان کے ضروری اخراجات انہیں دے کر جا سکے، جب کبھی کسی شخص کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ یہ ضروریات پوری کر سکے، تو اس پر حج کی ادائیگی فرض ہے، اگر اتنا خرچ نقد موجود نہ ہو، لیکن اپنی ملکیت میں

اتنا زیور ہو یا فوری ضرورت سے زائد اتنا سامان (مثلاً سامان تجارت) ہو کہ اس کی مالیت سے یہ خرچ پورے ہو سکتے ہوں تو اس پر بھی حج فرض ہو جاتا ہے۔

(۲) جب ایک مرتبہ حج فرض ہو جائے تو پھر اسے کسی شدید عذر کے بغیر ٹلانا یا مؤخر کرنا جائز نہیں، بلاوجہ مؤخر کرنے سے انسان گنہگار رہتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ زندہ رہے گا، لہٰذا حج فرض ہونے کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو، یہ فریضہ ادا کر لینا چاہئے، آج کل چونکہ اس کام کے لیے درخواست دے کر منظوری لینی پڑتی ہے، اس لیے جس شخص کے ذمے بھی اوپر بیان کئے ہوئے معیار کے مطابق حج فرض ہو، اس پر حج کے لیے درخواست دینا شرعاً ضروری، اگر قرعہ اندازی میں نام نہ آئے، یا سرکار کی طرف سے اجازت نہ ملے تو ایک مجبوری ہے اور ان شاء اللہ اس صورت میں درخواست دینے والا حج کو مؤخر کرنے سے گنہگار نہیں ہوگا، اور جب تک وہ ہر سال درخواست دیتا رہے گا، اس کی ذمہ داری پوری ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ اسے اجازت مل جائے اور وہ باقاعدہ حج کرے۔ لیکن یہ تصور قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد تصور ہے کہ جب عمر بڑی ہو جائے گی اس وقت حج کے لیے درخواست بھیجی جائے گی۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حج کا اصل لطف درحقیقت جوانی ہی میں ہے، اول تو اس لیے کہ حج میں جسمانی محنت اور مشقت کی ضرورت ہوتی ہے، اور حج کے افعال اسی وقت نشاط اور ذوق شوق کے ساتھ انجام دیے جا سکتے ہیں جب انسان کے قویٰ اچھے ہوں، اور وہ اطمینان کے ساتھ یہ محنت برداشت کر سکتا ہو، ورنہ بڑھاپے میں اگرچہ انسان جوں توں کر کے حج کر لیتا ہے، لیکن کتنے کام ایسے ہیں جنہیں نشاط چستی اور حضور قلب کے ساتھ انجام دینے کی حسرت ہی دل میں رہ جاتی ہے، دوسرے اس لیے کہ حج اگر اخلاص اور نیک نیتی سے صحیح طور پر انجام دیا جائے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں ایک انقلاب ضرور لے کر آتا ہے، اس سے انسان کے دل میں نرمی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور آخرت

کی فکر پیدا ہوتی ہے جو بالآخر اسے گناہوں، جرائم اور بدعنوانیوں سے روکتی ہے، قلب وذہن کی اس تبدیلی کی سب سے زیادہ ضرورت انسان کو جوانی میں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر وہ جوانی کی رو میں غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے۔

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری ست　　　　وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

(بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی ''پرہیز گار'' بن جاتا ہے، پیغمبروں کا شیوہ یہ ہے کہ جوانی میں ظلم اور گناہ سے توبہ کی جائے)

(۳) یہ غلط فہمی بھی بہت سے لوگوں کے ذہن میں پائی جاتی ہے کہ جب تک تمام اولاد کی شادیاں نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہئے، یہ خیال بھی سراسر غلط ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں حقیقت یہ ہے کہ حج کی فرضیت کا اولاد کی شادیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس شخص کو بھی مذکورہ بالا معیار کے مطابق استطاعت ہو اس کے ذمے حج فرض ہو جاتا ہے، خواہ اولاد کی شادیاں ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں۔

(۴) بعض گھرانوں میں یہ رواج بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب تک گھر کا بڑا فرد حج نہ کرلے اس وقت تک چھوٹے حج کرنا ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ بعض گھرانوں میں اس کو ایک عیب سمجھا جاتا ہے کہ چھوٹا بڑے سے پہلے حج کر آئے، حالانکہ دوسری عبادتوں یعنی نماز، روزے اور زکاۃ کی طرح حج بھی ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر شخص پر انفرادی طور سے عائد ہوتا ہے، خواہ کسی دوسرے نے حج کیا ہو، یا نہ کیا ہو، اگر گھر کے کسی چھوٹے فرد کے پاس حج کی استطاعت ہے تو اس پر حج فرض ہے، اگر بڑے کے پاس استطاعت نہ ہو، یا استطاعت کے باوجود وہ حج نہ کر رہا ہو تو نہ اس سے چھوٹے کا فریضہ ساقط ہوتا ہے نہ اسے مؤخر کرنے کا کوئی جواز پیدا ہوتا ہے۔

(۵) بہت سے گھرانوں میں یہ صورت دیکھنے میں آئی کہ باپ صاحب استطاعت نہیں ہے مگر بیٹا صاحب استطاعت ہے اس کے باوجود وہ یہ سمجھتا ہے کہ پہلے میں باپ کو حج

کراؤں پھر خود حج کروں، یا اس وقت کا انتظار کروں جب میں باپ کو اپنے ساتھ حج کو لے جاسکوں، یہ طرز عمل بھی درست نہیں ہے، اگر چہ باپ کو حج کرانا ایک بڑی سعادت مندی ہے، لیکن اس سعادت کے حصول کے لیے اپنے فریضہ کو مؤخر کرنا درست نہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے رمضان کے مہینے میں باپ بیماری یا ضعیفی کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو بیٹے کے لیے اس بات کا جواز پیدا نہیں ہوتا کہ وہ باپ کی وجہ سے خود اپنے روزے بھی چھوڑ دے، اور یہ طے کرلے کہ جب تک باپ روزے رکھنے کے لائق نہ ہو، میں بھی روزے نہیں رکھوں گا جس طرح یہ طرز عمل غلط ہے، اسی طرح اپنے حج کو باپ کے حج پر موقوف رکھنا بھی غلط ہے، اپنا فرض ادا کرلینا چاہیے پھر جب کبھی استطاعت ہو اس وقت باپ کو حج کرانے کی بھی کوشش کرلینی چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حج ایک عبادت ہے، اور وہ اسی طرح ہر شخص پر انفرادی طور سے فرض ہوتی ہے، جیسے نماز روزہ، اور کسی کے ذمہ دوسرے کو نہ حج کرانا فرض ہے نہ اپنے حج کی ادئیگی دوسرے کے حج پر موقوف ہے، لہٰذا جن حضرات کے ذمے مذکورہ بالا معیار کے مطابق حج فرض ہو چکا ہے، انہیں حج کی درخواست ضرور دینی چاہیے۔

(٦) جن حضرات کی درخواستیں منظور ہو جائیں، انہیں جانے سے پہلے حج کے مکمل احکام و آداب سیکھنے چاہئیں، اس کے لیے ہر زبان میں کتابیں بھی موجود ہیں، اور ہمارے ملک میں مختلف حلقوں کی طرف سے حج کے تربیتی کورس بھی منعقد ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنی چاہیے، عموماً درخواست کی منظوری اور حج کے لیے روانگی کے درمیان خاصا طویل وقفہ ہوتا ہے جو حج کے احکام و آداب سیکھنے کے لیے بہت کافی ہے، بہت سے حضرات اس طرف توجہ دیے بغیر حج کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں، اور اتنا خرچ اور مشقت اٹھا کر بھی صحیح طریقے کے مطابق حج کرنے سے محروم رہتے ہیں، بعض حضرات اپنی اس لاعلمی کو اپنی منگھڑت آراء کے پردے میں چھپانے کی بھی کوشش کرتے ہیں، اور اپنی رائے سے حج کے طریقوں میں خود ساختہ تبدیلیاں بھی کر لیتے ہیں۔

دنیا میں ہر کام کے لیے کچھ ادب آداب ہیں اور تو اور کھیلوں تک کے آداب اور قواعد مقرر ہیں اور اب تو کھیلوں کے آداب وقواعد مستقل فن کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور کوئی شخص کھیل بھی کھیلنا چاہے تو اسے یہ قواعد سیکھنے پڑتے ہیں اور دل مانے یا نہ مانے، ان کی پابندی کرنی پڑتی ہے، حج تو پھر ایک عبادت ہے بڑی مقدس اور عظیم الشان عبادت، لہٰذا اس کے آداب واحکام سیکھنا اور ان کی پابندی کرنا ضروری ہے، محض اپنی رائے کے بل پر ان قواعد وآداب میں تبدیلی کرنا اپنی محنت اور پیسے کو ضائع کرنے کے مرادف ہے، اگر اپنی من مانی کرنی ہے تو حج کے تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۷) حج چونکہ تمام مسلمان اکٹھے ہو کر انجام دیتے ہیں اور حج کے موقع پر انسانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے، اس لیے اس میں ایک دوسرے سے تکلیف پہنچنے کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں، اسی لیے اسلام نے حج کے احکام میں اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے، قدم قدم پر ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن کا مقصد لوگوں کو تکلیف سے بچانا ہے، اس غرض کے لیے بہت سے ایسے کاموں کو ترک کرنے کی ہدایت دی گئی ہے جو بذات خود بہت فضیلت رکھتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ صحیح معلومات اور مناسب تربیت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان احکام کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے لیے جان تک کا خطرہ پیدا کر دیتے ہیں جو کام تھوڑا سا صبر وتحمل پیدا کر کے آرام وسکون کے ساتھ ہو سکتے ہیں ان میں دھکا پیل کی جاتی ہے، اور بلا وجہ حج جیسی عبادت کو دھینگا مشتی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ بات اسلامی احکام کے قطعی خلاف اور سراسر ناجائز ہے جس سے عبادت کی روح پامال ہوتی ہے، لہٰذا حج کے تربیتی کورسوں اور حج سے متعلق ہدایات میں یہ پہلو خاص طور سے نمایاں کر کے اس پر زور دینے کی ضرورت ہے وزارت مذہبی امور کو بطور خاص اس کام پر توجہ دینی چاہیے، حج کی پروازوں میں تمام راستے ایسی تقریریں نشر کی جانی چاہئیں جو عوام کو ان احکام وآداب سے نہ صرف واقف کرائیں، بلکہ ان کی اہمیت ان کے ذہن میں اچھی طرح بٹھا دیں۔

سید عبدالناصر ترمذی

دینی مدارس کا فیضان

''جوں جوں مسلم معاشرے اور تہذیب نے ارتقا کی منازل طے کرنی شروع کیں مساجد میں مدرسوں کے قیام کا عمل شروع ہوا، سب سے پہلا مدرسہ مسجد نبوی شریف میں قائم ہوا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کو دینی امور تعلیم فرماتے تھے۔ اس کے بعد مسلمان جہاں بھی جاتے اور بستیاں بناتے وہاں مساجد تعمیر کرتے اور اس کے اندر اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا اہتمام کرتے'' دیکھا جائے تو یہ انسان سازی کے مراکز تھے جہاں پانچ چھ سال کے مسلمان بچے کو اسلام کے حقیقی مفہوم و معنی سے روشناس کرایا جاتا اور اسے یہ بتایا جاتا تھا کہ اچھا انسان کیا ہوتا ہے۔

آج کل علوم دینیہ اور مدارس دینیہ کی طرف سے مسلمانوں میں عام طور پر جو بے اعتنائی اور بے توجہی پائی جارہی ہے وہ تو قابل شکایت ہے ہی مگر زیادہ تر افسوس اس کا ہے کہ اب بعض ایسے حضرات بھی دینی مدارس کو عموماً بے کار اور عضو معطل کی طرح ہی سمجھنے لگے ہیں جن کا ذہن دینی ہے، اور ان کے اکابر واسلاف نے ہمیشہ ان مدارس دینیہ کی سرپرستی فرمائی اور گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

گزشتہ صدی میں یورپ سے فحاشی وعریانی، دین بے زاری اور بے راہ روی کی جو لہر اٹھی اس نے پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیا یہاں تک کہ عرب دنیا اور اسلامی دنیا بھی اس کی زد میں آ گئی لیکن برصغیر کو وہ اسلامی شعائر کے احترام اور مذہبی اقدار کی پابندی سے محروم نہیں کرسکی، دنیا کے کسی حصے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جب بھی کوئی آواز اٹھتی ہے تو اس کا جواب اسی خطے سے دیا جاتا ہے، چند سال پہلے ڈنمارک کے بدباطن اور سیاہ بخت صحافیوں نے جو توہین آمیز خاکے بنائے اور امت مسلمہ کے دلوں کو مجروح کیا اس

کے خلاف سب سے زیادہ مؤثر آواز پاکستان سے ہی اٹھائی گئی بلکہ شمع رسالت کے ایک پروانے عامر چیمہ شہید نے اس بدبخت صحافی کو جہنم واصل کرنے کی کوشش میں اپنی جان بھی قربان کردی۔

پاکستان کے مسلمانوں کے اندر یہ جذبہ اور دینی شعور یقیناً انہی دینی مدارس کی بدولت زندہ ہے جو ہر گلی اور محلّہ میں مسلمان بچوں کی دینی تربیت کرکے اپنا دینی اور مذہبی فریضہ ادا کررہے ہیں، یہ وہ حقیقت ہے جس نے مغرب کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے، اور اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ ان مدارس کو ختم کردیا جائے۔ اس کیلئے ایک طرف تو مدارس پر دہشت گردی کا الزام لگایا گیا دوسری طرف مدارس کے ذرائع آمدنی کو مسدود کرکے دولت مند مسلمانوں کو امریکہ مدارس کی اعانت سے روک رہا ہے پاک و ہند کے جو مسلمان دوسرے ملکوں میں بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں اور اپنی زکوٰۃ پاک و ہند کے مدارس کو بھیجتے ہیں انہیں بھی روکنے کی کوشس کی جارہی ہے۔

پاکستان کے دینی مدارس آج کل چاروں طرف سے تنقید کا نشانہ بن رہے ہیں یہ باور کرلیا گیا ہے کہ ''انتہا پسندی کے چشمے یہیں سے پھوٹتے اور دہشت گردوں کے لشکر انہیں چھاؤنیوں سے سفر کا آغاز کرتے ہیں ان مدارس میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، اور یہ دہشت گردوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں'' اسی طرح کے سینکڑوں جھوٹے الزامات ہیں جو ان مدارس اور اہل مدارس پر لگائے جاتے ہیں۔

موجودہ حالات میں اخبارات و رسائل ریڈیو، ٹیلی ویژن اور میڈیا سے تعلق رکھنے والے جتنے بھی ادارے ہیں وہ شب و روز ان مدارس کے خلاف ایک مہم جاری رکھے ہوئے ہیں، ان سب کی کوشش یہ ہے کہ ان مدارس کو بے فیض ثابت کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ ان کا کوئی معقول مقصد نہیں ہے، یہ فضول ہیں ان کو ختم ہوجانا چاہیے۔ اور سادہ لوح مسلمان ان کے اس پروپیگنڈے سے متأثر ہورہے ہیں اور دشمن ہر وقت اس فکر میں

لگا ہوا ہے کہ کسی طرح مذہب اسلام دنیا سے ختم ہو جائے اور مسلمانوں کو نیست ونابود کر دیا جائے۔

ہمارے اس دشمن کو اپنے مشن کی تکمیل کیلئے کسی مسلمان ملک سے کوئی خطرہ نہیں، مسلمانوں کی افرادی طاقت سے کوئی اندیشہ نہیں وہ جس کو چاہتا ہے مٹھی میں لے کر مسل دیتا ہے، پاؤں کے نیچے رکھ کر کچل دیتا ہے، ہمارے سامنے سارے واقعات موجود ہیں خطرہ مسلمانوں کی حکومتوں سے نہیں ہے، خطرہ مسلمانوں کی افرادی طاقت سے نہیں ہے بلکہ خطرہ اسلام سے ہے اور اسلام کی حفاظت دینی مدارس کرتے ہیں اس لئے خطرہ دینی مدارس سے ہے، اسلام کی حفاظت کا مرکز یہ دینی مدارس ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کو، اسلام کے علوم کو، قرآن کو، حدیث کو، فقہ کو محفوظ کرنے کا سامان اس دنیا کے اندر دینی مدارس کے علاوہ اور کوئی نہیں اس لئے وہ دینی مدارس کا دشمن بنا ہوا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ اپنی اس دشمنی کے نتیجہ میں اسلام کو ختم کر پائے گا یا نہیں؟ تو ہم سب کا یہ ایمان ہے کہ وہ خود تباہ وبرباد ہو جائے گا لیکن اسلام کو ختم نہیں کر سکتا اور جب اسلام کو ختم نہیں کر سکتا تو مدارس کو بھی ختم نہیں کر سکتا۔

دینی مدارس کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے بار بار یہ پیشکش کی جا رہی ہے کہ جس کسی کو مدارس کے بارے میں دہشت گردی یا کسی بھی قسم کا شبہ ہوا نہیں کھلی دعوت ہے کہ وہ مدارس کو آ کر خود دیکھیں اور چاہیں تو سراغ رسانی کے حساس ترین آلات استعمال کر کے پتہ لگائیں کہ آیا کہیں ناجائز ہتھیاروں یا ان کی خفیہ تربیت کا کوئی نشان ملتا ہے؟ اگر کسی مدرسے کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہاں دہشت گردی کی تربیت دی جاری ہے تو اس کے خلاف مناسب کارروائی کا نہ صرف خیر مقدم کیا جائے گا بلکہ مختلف مکتبہ فکر کے وفاقوں کے ذمہ دار حضرات بار بار یہ اعلان کر چکے ہیں کہ ہم خود بھی اس کارروائی میں تعاون کریں گے لیکن ایک عرصہ سے مدارس کے خلاف دہشت گردی کا پروپیگنڈہ

جاری ہے اور سرکاری حلقوں کی طرف سے بھی یہ مجمل بات کہی جاتی ہے کہ بعض مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت دی جارہی ہے، سوال یہ ہے کہ اگر کسی مدرسے کے بارے میں یہ بات ثابت ہوئی ہے تو اس کا نام اور شناخت کیوں منظر عام پر نہیں لائی جاتی ؟ اور بعض مدرسوں کا لفظ استعمال کر کے تمام دینی مدارس کو آخر کیوں مشکوک کیا جارہا ہے؟

نائن الیون کے مفروضہ ملزموں سے لے کر اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری سے لے کر ابومصعب الزرقاوی تک کوئی بھی دینی مدرسے کا فیض یافتہ نہیں ،سب نے برطانیہ اور امریکہ کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں میں ڈاکٹری یا انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی ہے، یہ تأثر قطعاً درست نہیں کہ دینی مدارس انتہا پسندی اور دہشت گردی کو ہوا دے رہے ہیں، یہ قانون فطرت ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے مسلمانوں پر امریکہ اور اس کے حواریوں کی جانب سے ڈھائے گئے منظّم اور مسلسل مظالم نے ردعمل کی فضا پیدا کر دی ہے جس کے نتیجہ میں امریکہ کے طرز عمل کے بارے میں عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی سوچ 2004ء میں کیئے گئے Himal South Asia کے ایک سروے سے ظاہر ہے اس میں سوال پوچھا گیا کہ کیا کشمیر کے لئے جہادی گروپس کی مدد کرنی چاہیئے؟ تو کیڈٹ کالجوں اور پبلک سکول کے 53.8 فیصد بچوں کا جواب ہاں میں تھا۔

نائن الیون کے واقعے کو ۱۳ سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن تقریباً پچیس ہزار مدارس میں سے کسی ایک میں بھی کوئی دہشت گردی کی تربیت گاہ، کوئی ایٹمی ری ایکٹر، بارود خانہ، اسلحہ ڈالنے بھٹی، جنگی گھوڑوں کا کوئی اصطبل اور جنگجوؤں کا گروہ برآمد نہیں ہوا، تقریباً ایک لاکھ اساتذہ اور کم وبیش بیس لاکھ طلبہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملا جس پر دہشت گردی کا الزام ثابت ہو سکے۔

آج پاکستان کے جیل خانوں میں سزا بھگتنے والے افراد کا سروے کیجئے کہ ان میں بند جیب کتروں، رہزنوں، لٹیروں، قاتلوں، شرابیوں، زانیوں اور جرائم پیشہ قیدیوں میں

سے کتنے ایسے ہیں جنہوں نے اسکول اور کالجوں میں تعلیم حاصل کی اور کتنے ایسے ہیں جنہوں نے دینی مدارس سے کسب فیض کیا، جوئے کے اڈے اور شراب کی بھٹیاں چلانے والوں میں سے کتنے دینی مدارس کے فارغ التحصیل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دینی مدارس کے فضلاء اصلاح معاشرہ میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں، اور دینی مدارس دستور وآئین کے پابند، امن پسند، انسانی اخوت ومحبت کے علمبردار ہیں، ہر طرح کے ظلم وزیادتی اور دہشت گردی کے مخالف، قوم وملک کے بہی خواہ ہیں اور ان کے دروازے سبھی کیلئے کھلے ہیں، جو بھی چاہے ان مدارس میں آکر ان کے شب وروز کے نظام کو دیکھ سکتا ہے بغیر دیکھے اور بلا تحقیق مدارس کو بدنام کرنا اور ان پر دہشت گردی کا الزام رکھنا یقیناً کھلی ہوئی زیادتی اور بددیانتی ہے۔

جہاں سے نکلنے والوں نے کبھی کوئی فتنہ برپا نہیں کیا، جہاں اسکولوں اور کالجوں کی طرح کسی طالب علم کو فائرنگ کر کے ہلاک کرنے کی خبر کبھی نہیں آئی، جہاں کی رہائش گاہوں سے کالج کے ہوسٹلوں کی طرح کوئی حکومت کوشش کے باوجود کبھی کلاشنکوف یا اسلحہ برآمد نہیں کرسکی، ایسے مدارس کو دہشت گردی کے اڈے قرار دینا کتنی بے حقیقت بات ہے۔

ایک سابق وزیر اعظم کا یہ بیان ریکاڈ پر ہے کہ انہیں اپنی وزارت عظمی کے دوران مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ لیکن اگر فرض کریں کہ ہزارہا دینی مدارس میں سے ایک آدھ مدرسے کے بارے میں یہ الزام ثابت ہوجاتا ہے تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس بنیاد پر تمام دینی مدارس کو دہشت گرد قرار دیدیا جائے؟ کیا دنیا بھر کے تعلیمی اداروں میں بعض اوقات کچھ جرائم پیشہ افراد داخل نہیں ہوجاتے؟ کیا اس بنا پر تمام تعلیمی اداروں کو جرائم پیشہ قرار دے دینا عقل وانصاف کے کسی خانے میں فٹ ہوسکتا ہے؟

تاریخ پر نظر رکھنے والے حضرات اس بات سے آگاہ ہیں کہ قدیم زمانہ میں

مدارس کی ضروریات پوری کرنے کیلئے حکومت اورامراء کی طرف سے باقاعدہ جائیدادیں وقف کی جاتی تھیں جن کی آمدنی سے ان مدارس کے اخراجات پورے ہوتے تھے، لیکن جب برصغیر پر انگریز نے قبضہ کیا تو مدارس کی یہ تمام جائیدادیں ضبط کر لی گئیں ہزاروں علماء کو شہید کردیا گیا اس وقت مسلمانوں کا دین وایمان اور برصغیر کے اندر اسلام کا وجود سخت خطرے میں پڑ گیا تھا اور دینی مدارس کا نظام درہم برہم ہوکر رہ گیا تھا چنانچہ اس وقت مدارس دینیہ کے تحفظ اور بقاء کیلئے علماء ومشائخ نے باوجود نامساعد حالات کے دین کی شمع کو روشن رکھا اور گلشن اسلام کی اپنے خون سے آبیاری کی اور ''ملت اسلام'' کو مٹنے سے بچالیا، کیا یہی وہ ''گناہ عظیم'' ہے جس کی پاداش میں علوم دینیہ کے حاملین اور ملت اسلامیہ کے ان محافظین کو قوم کی نگاہ میں عضو معطل کی طرح سمجھا جاتا ہے، ان پر دہشت گردی کا جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے، قدامت پسند ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ملا اور دینی مدارس قوم پر بلاوجہ کا ایک بوجھ ہیں ان پر قوم کا روپیہ خرچ کرنا اپنے سرمایہ کا ضائع کرنا ہے۔

ملا اور دینی مدارس کی عظمت اور قدر ومنزلت کے متعلق مشہور بیوروکریٹ جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم کے تأثرات واحساسات ملاحظہ فرمائیں جو دینی مدارس کو ہدف تنقید بنانے والوں کے لیے باعث عبرت ہیں:

> ''ایک زمانے میں ملا اور مولوی کے القاب علم وفضل کی علامت ہوا کرتے تھے، لیکن سرکار انگلشیہ کی عملداری میں جیسے جیسے ہماری تعلیم اور ثقافت پر مغربی اقدار کا رنگ وروغن چڑھتا گیا، اسی رفتار سے ملا اور مولوی کا تقدس بھی پامال ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ نوبت بایں جارسید کہ یہ دونوں تعظیمی اور تکریمی الفاظ تضحیک وتحقیر کی ترکش کے تیر بن گئے، ڈاڑھیوں والے ٹھوٹھ اور ناخواندہ لوگوں کو مذاق ہی مذاق میں ملا کا لقب ملنے لگا۔ کالجوں، یونیوسٹیوں اور دفتروں میں کوٹ

پتلون پہنے بغیر دینی رجحانات رکھنے والوں کو طنز و تشنیع کے طور پر مولوی کہا جاتا تھا۔ مسجدوں کے پیش اماموں پر جمعراتی، شبراتی، عیدی، بقرہ عیدی اور فاتحہ درود پڑھ کر روٹیاں توڑنے والے قل اعوذئے ملاؤں کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔

لُو سے جھلسی ہوئی گرم دوپہروں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر پنکھوں کے نیچے بیٹھنے والے یہ بھول گئے کہ محلے کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ کس طرح ہوتی رہتی ہے؟ کڑکڑاتے ہوئے جاڑوں میں نرم و گرم لحافوں میں لپٹے ہوئے اجسام کو اس بات پر کبھی حیرت نہ ہوئی کہ اتنی صبح منہ اندھیرے اٹھ کر فجر کی اذان اس قدر پابندی سے کون دے جاتا ہے؟

دن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، امن ہو یا فساد، ہر زمانے میں شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی مسجدیں اسی ایک ملاّ کے دم سے آباد تھیں جو خیرات کے ٹکڑوں پر مدرسوں میں پڑا تھا، اور دربدر کی ٹھوکریں کھا کر گھر بار سے دور کہیں اللہ کے کسی گھر میں سر چھپا کر بیٹھ رہا تھا۔ اس کی پشت پر نہ کوئی تنظیم تھی، نہ کوئی فنڈ تھا، نہ کوئی تحریک تھی۔ اپنوں کی بے اعتنائی، بیگانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور نہ اپنے لباس کی مخصوص وردی کو چھوڑا۔ اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دین کی شمع، کہیں دین کا شعلہ، کہیں دین کی چنگاری روشن رکھی۔

یہ ملاّ ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان، کہیں نام کے مسلمان، کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت و سالم و برقرار رہے، اور جب سیاسی میدان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آبادی کے اعداد و شمار کی جنگ ہوئی تو ان

سب کا اندراج مردم شماری کے صحیح کالم میں موجود تھا۔ برصغیر کے مسلمان عموماً اور پاکستان کے مسلمان خصوصاً ملاّ کے اس احسان عظیم سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے جس نے کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی حد تک ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا''۔ (شہاب نامہ ص ۲۴۰۔۲۴۱، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

دینی مدارس اور ان میں پڑھنے پڑھانے والوں پر اعتراض کرنے والوں کیلئے دانائے مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی وہ نصیحت بھی درس عبرت اور سرمہ بصیرت ہے جو انہوں نے یورپ کے دورے سے واپسی پر فرمائی کہ:

''یورپ کو دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی ہے ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مکتبوں میں پڑھنے دو اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا اسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء اور باب الاخوین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا،،۔

(آئینہ آئین وقواعد ص۲)

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

یادگار واقعات (آخری قسط)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

تفسیر بلغۃ الحیران

خانقاہ سراجیہ کندیاں کے سابق سجادہ نشین حضرت مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری لدھیانوی حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیری کے تلمیذ رشید اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے ان کے شیخ حضرت مولانا احمد خان قدس سرہ نے اپنے بعد اپنا جانشین انہی کو بنایا تھا باوجودیکہ یہ ان کی برادری قبیلہ خاندان میں سے نہ تھے حضرت نے محض دینی بنیاد پر ان کی اہلیت کی وجہ سے انہی کا انتخاب فرمایا یہ آپ کی للّٰہیت کی دلیل ہے۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے زمانہ میں خانقاہ سراجیہ حاضر ہوا ڈاکٹر رانا مطیع الرحمٰن مرحوم کے والد مولانا فیض احمد صاحب میرے ساتھ تھے اسٹیشن پہنچ کر باقی سفر ہم نے پیدل کیا جب خانقاہ پہنچے تو حضرت مولانا موصوف بڑی سادگی سے ریت پر ہی تشریف فرما تھے سلام کے بعد تعارف ہوا حضرت والد صاحب کو خوب جانتے تھے ان کا نام سن کر بڑی شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا اور کافی دیر تک باتیں فرماتے رہے اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ آئیں میں تمہیں یہاں کا کتب خانہ دکھاتا ہوں خانقاہ کا کتب خانہ بہت عظیم ہے جو بیش بہا علمی نوادرات او رمخطوطات پر مشتمل ہے حضرت مولانا احمد خان صاحب نے بڑے ذوق وشوق سے کتابیں جمع فرمائیں یہاں کتابوں کی انتہائی نگہداشت اور قدر کی جاتی ہے بعض معمولی کتابوں کی جلد اتنی اعلیٰ ہے کہ شاید اصل لاگت سے بھی زیادہ پھر کتب خانہ کی حسن ترتیب بلاشبہ دل کش اور قابل داد ہے دور دور سے لوگ آکر استفادہ کرتے ہیں مختلف علوم وفنون پر مشتمل

ہونے کی وجہ سے کتب خانہ ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا نے کتب خانہ خود دکھانا شروع کیا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی لیکن یہ دیکھ کر انتہائی تعجب ہوا کہ ایک کتاب بلا جلد ایک الماری میں رکھی ہوئی ہے حضرت مولانا سے میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے تمام کتابوں کی اتنی اعلیٰ جلد ہے مگر ایک کتاب بغیر جلد کے ہے ہنس کر فرمانے لگے کہ تمہیں پتہ ہے کہ کونسی کتاب ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا لاؤ میں دکھاتا ہوں کہ یہ کیا کتاب ہے حضرت والد صاحب کتاب اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے گئے فرمانے لگے کہ مولوی صاحب یہ حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں والوں کی کتاب تفسیر ''بلغۃ الحیر ان'' ہے اس میں چونکہ بہت سے مقامات پر جمہور کے مسلک کے خلاف لکھا گیا ہے اس لئے ہم نے اس کی جلد نہیں کرائی کہ خواہ مخواہ کوئی اسے دیکھ کر پڑھنا شروع کر دے پھر اس کے چند مقامات نکال کر دکھائے جہاں تفسیر میں تفرد اختیار کیا گیا ہے۔

حضرت والدصاحب نے فرمایا کہ کتاب کا تعارف پہلے بھی تھا کیونکہ امداد الفتاویٰ میں حضرت اقدس تھانوی نے اس کا رد فرمایا تھا مگر کتاب دیکھنے کا موقع نہ تھا پہلی مرتبہ کتاب یہیں دیکھی اور اتنی تفصیل کے ساتھ۔ حضرت مولانا نے بھی اس کا تعارف کرا کر بہت سے قابل اصلاح وتوجہ مقامات کی نشاندہی فرمائی اس کے بعد جواہر القرآن کے نام سے اسی کو بنیاد بنا کر مولانا غلام اللہ خان صاحب نے تفسیر لکھی اس کی پہلی جلد پر ''ہدایۃ الحیر ان فی جواہر القرآن'' کے نام سے حضرت والد صاحب نے رد لکھا۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب نے ایک مجلس میں تقویۃ الایمان کے ذکر آنے پر فرمایا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی بہ نسبت ان کی دوسری کتاب ''ایضاح الحق الصریح'' زیادہ بہتر ہے اس کا انداز اس سے بہتر اور مؤثر ہے حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت یہی بات اس کے متعلق

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی فرمائی اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم نے حضرت شاہ صاحب کا بیان خود پڑھا ہے میں نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ میں طبع ہوا ہے اور میں نے خود پڑھا ہے اگر دارالعلوم کی فائل یہاں ہو تو کتب خانہ میں تلاش کرنے سے یہ بیان جلد مل جائے گا خادم سے فرمایا کہ کتب خانہ کھول دو والد صاحب نے جلد ہی یہ حوالہ تلاش کر کے حضرت کو سنایا اس پر بہت دعائیں دیں۔

مولانا عبدالہادی کا ارشاد

حضرت مولانا عبدالہادی صاحب شیخ الہند حضرت علامہ محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ کے خاص متعلقین میں سے تھے حضرت شیخ الہند ایک زمانہ تک مالٹا کی جیل میں قید وبند کی صعوبتیں جھیلنے کے بعد رہا ہو کر جب دیوبند تشریف لائے تو اسٹیشن پر استقبال کیلئے بے پناہ ہجوم تھا حضرت مولانا عبدالہادی بھی وہاں موجود تھے انہوں نے حضرت کی دور سے زیارت اور دیکھنے کو کافی سمجھا ظاہر ہے کہ اتنے بڑے ہجوم میں حضرت تک پہنچنا ان کیلئے ممکن نہ تھا اچانک حضرت شیخ الہند کی نظر ان پر پڑ گئی آپ نے زور سے آواز دی ''عبدالہادی'' لوگوں نے نام سنا تو سب نے راستہ دے دیا اس طرح حضرت موصوف کیلئے راستہ بن گیا اور بسہولت حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہو گئے مصافحہ کیا اور زیارت سے مشرف ہوئے پھر حضرت سے عرض کیا کہ جس طرح آپ نے یہاں یاد رکھا وہاں بھی یاد رکھنا اللہ والوں کی نگاہیں آخرت پر ہوتی ہیں ان کو ہر وقت وہیں کا فکر رہتا ہے اس لئے یہ عرض کیا۔

فرماتے تھے کہ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ حضرت نے مجھے کیسے دیکھ لیا اور کس طرح اچانک ناامیدی کے باوجود میں ان تک پہنچ گیا اس سے یہ امید بھی ہوئی کہ حق تعالیٰ آخرت میں بھی ان حضرات کے طفیل ہم پر اسی طرح رحم فرمائیں گے اور ان کے ساتھ جنت میں جمع فرمادیں گے۔ وما ذلك على الله بعزيز

سبق آموز ارشاد

کراچی کے مدرسہ مظاہر العلوم کھڈہ میں حضرت اقدس شیخ العالم شیخ الہند کے شاگرد حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے یہ بڑے حضرات میں سے تھے اور کراچی کا یہ مدرسہ بڑا پرانا مدرسہ تھا ایک مرتبہ حضرت اقدس والد صاحب کراچی تشریف لے گئے مظاہر العلوم مدرسہ بھی جانا ہوا حضرت مولانا کی زیارت بھی کی انہوں نے سوال کیا کہ آپ کیا کرتے ہیں حضرت والد صاحب نے جواب میں یہ جملہ عرض کیا ''متعلمی بصورت معلّمی'' اس پر بہت خوش ہوئے فرمانے لگے کہ یہ بالکل صحیح ہے انسان ساری عمر طالب علم ہی رہتا ہے کبھی باقاعدہ متعلم کی صورت میں اور کبھی معلم اور استاد کی صورت میں اس میں کوئی شک نہیں بلاشبہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عمر کے کسی حصہ میں بھی طلب علم ختم نہیں ہوتی اس لئے انسان ہمیشہ طالب علم ہی رہے گا۔

تدریس ہدایہ

احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ عرصہ ریواڑی (ہند) میں بھی تدریس کی ہے وہاں کسی مدرسہ کے استاذ درمیان سال میں چلے گئے تھے اہل مدرسہ نے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے مدرس کیلئے درخواست کی تو حضرت اقدس نے حضرت جدامجد کو بھیج دیا حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ اس مدرسہ میں ایک جماعت ہدایہ کی بھی تھی حضرت والد صاحب نے جب ان سے عبارت پڑھوائی اور فرمایا کہ اس کا ترجمہ کر کے مطلب بھی بیان کرو تو وہ طلبہ پریشان ہو گئے کہنے لگے کہ ہم نے تو کبھی اس طرح سبق نہیں پڑھا حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اب آئندہ سبق اسی طرح ہوگا عبارت تم خود پڑھو گے اور مطلب بھی خود ہی بتاؤ گے چند دن اس میں دقت ہوگی اس کے بعد کوئی پریشانی نہ رہے گی لیکن اس طریقہ سے تمہیں کتاب آجائے گی طلبہ نے اس پر چند یوم عمل کیا تو واقعۃً ان کو بہت نفع ہوا حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ

حضرت ہم نے جو حصہ پہلے پڑھا ہے ہم وہ بھی دوبارہ آپ سے پڑھنا چاہتے ہیں اس طرح ان کو خوب نفع ہوا اور کتاب خود بخود حل ہوتی چلی گئی۔

مدینہ منورہ میں تدریس

مدینہ منورہ کی پہلی حاضری حضرت والد صاحب کی ۱۳۵۶ھ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ہوئی حضرت اقدس مدنی کے برادر جناب حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں مدرسۃ العلوم الشرعیہ بنا رکھا تھا حضرت جد امجد جب وہاں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ کے منتظر تھے اچھا ہوا کہ آپ پہنچ گئے ہیں آپ کیلئے ہم نے مدرسہ میں جگہ خالی رکھی ہوئی ہے لہٰذا اب آپ پڑھانا شروع کر دیں چنانچہ کچھ اسباق انہوں نے عطا فرمائے ان میں بعض کتابیں ایسی تھیں جو ہندوستان میں نہیں پڑھائی جاتی تھیں اس لئے حضرت جد امجد نے کہا کہ حضرت یہ فلاں فلاں کتابیں ہمارے ہاں نہیں پڑھائی جاتیں اس لئے میں نے نہیں پڑھیں ان کو میں کیسے پڑھاؤں گا انہوں نے فرمایا کہ مولوی صاحب عالم کیلئے پڑھا نہ پڑھا برابر ہوتا ہے اس لئے ان کتابوں کا پڑھانا آپ کیلئے مشکل نہیں ہے چنانچہ ان کے حکم پر حضرت نے سب کتابیں پڑھائیں اور حضرت مولانا کا ارشاد درست ثابت ہوا۔

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ عالم کیلئے پڑھی بے پڑھی کتابیں برابر ہوتی ہیں لیکن اب فرق یہ ہے کہ پہلے بے پڑھی کتابیں بھی پڑھی ہوئی شمار ہوتی تھیں عالم اپنی استعداد اور مطالعہ سے بے پڑھی کتابیں بھی پڑھا سکتا تھا اب پڑھی ہوئی بھی بے پڑھی کی طرح ہو جاتی ہیں یہ تعلیم میں انحطاط اور تنزل کی وجہ سے ہے اس لئے ضرورت ہے کتاب کو محنت سے پڑھا جائے اگر مشکل کتابیں سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو پھر سب کتابیں آسان ہو جاتی ہیں آج کل مشکل کتابیں پڑھنے اور ان کو سمجھنے کا رواج نہیں رہا اس لئے جو کتابیں نہیں پڑھیں ان کو حل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

درس میں علماء حرم کی شرکت

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ نے کئی مرتبہ یہ واقعہ سنایا کہ جب مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت والد صاحب مؤطا امام مالک پڑھاتے تھے تو آپ کا سبق حرم نبوی میں ہوتا تھا آپ سبق کی تشریح اور تقریر عربی میں فرماتے تھے حرم نبوی کے بعض اساتذہ حضرات بھی سبق میں شریک ہوتے تھے حضرت والد صاحب نے ان سے ایک مرتبہ فرمایا کہ موطا امام مالک آپ کے مذہب کی کتاب ہے اسے آپ ہم سے زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھتے ہیں ہم چونکہ مذہب حنفی کے پیروکار ہیں اس لئے ہم زیادہ نہیں سمجھ سکتے آپ یہاں سبق میں شریک ہوتے ہیں اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے انہوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں یہاں کافی فائدہ ہوتا ہے یہ تو صحیح ہے کہ ہم اپنے مذہب کو آپ حضرات سے زیادہ سمجھتے ہیں لیکن احادیث میں تعارض کی صورت میں تطبیق کا جو فن آپ کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے یہاں ہم وہ سننے آتے ہیں آپ تعارض کی صورت میں جو تطبیق دیتے ہیں اس کو ہم جا کر اپنے طلبہ کو اپنے سبق میں بیان کرتے ہیں۔ یہ ان حضرات کے غایت درجہ انصاف اور قدردانی کی بات تھی یہ حضرات دوسرے مذہب کے ساتھ بھی ادب واحترام کا معاملہ فرماتے تھے۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ احناف کا قول یہ حضرات قال سادتنا الحنفية کہہ کر پیش کرتے تھے لیکن اب ادب واحترام کا دور ختم ہو گیا ہے۔ فالی اللہ المشتکی من دید الزمان المملو من الشرو الطغیان

شان تفقہ

حج کے موقع پر طواف کے بعد ایک صاحب نے حضرت دادا جان قدس سرہ سے سوال کیا کہ حضرت مطاف میں بعض حضرات کی قبور مطہرہ بھی ہیں جب لوگ طواف کرتے ہیں سب اپنے پاؤں سے ان قبور مطہرہ پر چل رہے ہوتے ہیں جو یقیناً بے ادبی ہے حضرت

نے جواب میں فرمایا کہ نہیں کوئی بے ادبی کی بات نہیں ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے روحانی باپ اور والد ہیں ہم ان کی اولاد ہیں اور اولاد اپنے ماں باپ کے سینوں پر پھرا ہی کرتی ہے اس جواب سے وہ سائل بڑے مطمئن اور مسرور ہوئے واقعۃً یہ بڑا عاشقانہ جواب تھا خشک عالم ایسا جواب ہرگز نہیں دے سکتا۔

روضۂ اطہر کا ادب

بہت عرصہ کی بات ہے کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک اسلامی ملک کے سربراہ نے روضۂ اطہر پر حاضر ہونے کیلئے مدینہ منورہ کے گورنر کو اطلاع دی انہوں نے سلطان کے استقبال کیلئے بڑا اعلیٰ انتظام کیا اسی طرح روضہ اطہر پر حاضری کیلئے بھی جگہ خالی کرانے کا اہتمام کیا گیا سلطان مدینہ منورہ پہنچے تو کافی دور کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا لوگوں کو بڑی حیرانی ہوئی کہ ان کو زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کا موقع تھا پھر دور سے کیوں انہوں نے سلام عرض کیا ان کو تو زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر سلام عرض کرنا چاہئے تھا جب ان سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگے کہ اگر اس سے بھی دور کھڑے ہو کر میں صلوٰۃ وسلام عرض کر سکتا تو اس سے بھی دور کھڑا ہو جاتا کیونکہ میرے جیسے گناہگار کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا ادب کے خلاف ہے حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مجھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔

مدینہ منورہ کی حاضری کے موقع پر ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت والد صاحب سے کہا کہ روضۂ اطہر کی جالی چومنے سے یہاں کے لوگ سختی سے منع کرتے ہیں اس بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے منع تو ہم بھی کرتے ہیں اور یہ حضرات بھی مگر وجہ منع میں فرق ہے یہ حضرات اس لئے منع کرتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ شرک ہے اور ہم اس لئے منع کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ ادب کے خلاف ہے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتنا قرب ہمارے لئے مناسب نہیں۔

النور اسماء حسنیٰ میں سے ہے

حضرت مولانا...... چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ہمارے ہاں تشریف لائے حضرت والد صاحب انہیں گھر لے گئے نیچے کی منزل میں تخت پر تشریف فرما تھے احقر کے بڑے بھائی عبدالنور کو حضرت نے ان کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے نام پوچھا حضرت نے عبدالنور نام بتایا اس پر انہیں حیرانگی ہوئی فرمانے لگے عبد کی اضافت نور کی طرف کیسی ہے کیا نور اسمائے حسنیٰ میں سے ہے حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ ہاں ''النور'' حق تعالیٰ کا نام ہے اور اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے پھر انہیں مشکوٰۃ شریف سے حق تعالیٰ کے نام میں النور دکھایا تو وہ بہت خوش ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

حضرت رائپوری کی والد صاحب پر شفقت

فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں میرے والد صاحب کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے حضرت کے ہاں سادات کا بڑا احترام تھا اس لئے ان کے حاضر ہونے پر حضرت رائے پوری بڑے اکرام اور شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے پہلے ان کیلئے بیٹھنے کا خاص انتظام فرماتے اس زمانہ میں خاص نشست کیلئے موڑھا بچھایا جاتا تھا چنانچہ حضرت کے حکم سے پہلے وہ بچھایا جاتا پھر والد صاحب کو حضرت اس پر بٹھاتے تھے اور یہ بھی فرما رکھا تھا کہ جب یہ آئیں مجھے فوری اطلاع کی جائے انہیں انتظار نہ کرایا جائے یہ حضرت رائپوری کی حضرت والد صاحب پر غایت شفقت تھی چنانچہ جب بھی انہیں رائپور جانے کا اتفاق ہوتا ہمیشہ اسی اکرام و اعزاز کا معاملہ ان کے ساتھ کیا جاتا۔

نوٹ:

مورخہ ۱۰ رشوال المکرّم ۱۴۱۵ھ کو حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی، مولانا عبدالدیان سلیمی لاہور سے حضرت اقدس کی خدمت میں بغرض تیمارداری ساہیوال پہنچے دوران مجلس حضرت کے بعض ارشادات قلم بند کر لئے گئے جو ذیل میں درج ہیں۔

اہل اللہ سے تعلق

بحمد اللہ تعالیٰ اب میری صحت کافی بہتر ہے آپ حضرات کے آنے سے بہت خوشی ہوئی میں اس لحاظ سے اپنی بیماری کو بہتر سمجھتا ہوں کہ حضرات علماء کرام عیادت کیلئے آرہے ہیں ان سے ملاقات ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماویں اور سب حضرات کو خوش رکھیں جزائے خیر سے نوازیں۔

اہل اللہ سے نسبت اور وابستگی بڑی نعمت اور دولت ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس والد ماجد مفتی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے وابستگی عطا فرمادی یہ محض ان کا کرم ہے اس کی ادنیٰ اہلیت بھی میں اپنے اندر نہیں پاتا حضرت حکیم الامت کے دربار میں رہنے کی ہی یہ برکت تھی کہ وہاں بہت سے اہل اللہ علماء کرام ومشائخ عظام کی زیارتیں نصیب ہوگئیں چونکہ حضرت کی ذات گرامی سب کیلئے مرجع تھی اور سب ہی بڑے چھوٹے وہاں حاضر ہوتے تھے اس لئے بلا استحقاق مفت میں ہی ان کی زیارتیں ہوگئیں اگر حضرت کے ہاں قیام نہ ہوتا تو پھر میں اس عمر میں ان حضرات کی زیارتیں کیسے کرسکتا۔

حضرت مدنی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، نائب امیر شریعت بہار مولانا سجاد حسین صاحب کی زیارت سب سے پہلے تھانہ بھون میں ہی ہوئی اس وقت میری عمر بارہ سال کی ہوگی یہ حضرات ''حیلہ ناجزہ'' کے بعض مسائل پر گفتگو کیلئے تھانہ بھون تشریف لائے تھے حضرت والد صاحب نے بھی تھانہ بھون میں ان حضرات کی تشریف آوری کا تذکرہ ''حیلہ ناجزہ'' کے حاشیہ پر فرمایا ہے یہ ۱۳۵۳ھ کی بات ہے میں اس زمانہ میں مدرسہ امداد العلوم میں قرآن کریم حفظ کرتا تھا مجھے ان حضرات کی زیارت ان کا دیکھنا آپس میں گفتگو کرنا خوب یاد ہے اصل مسئلہ زیر بحث کیا تھا اس وقت یہ معلوم نہ تھا کیونکہ عمر چھوٹی تھی بعد میں ''حیلہ ناجزہ'' دیکھنے سے پتہ چلا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت

اصل چیز یہ ہے کہ علم کے ساتھ تعمق بھی ہو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو علم کے ساتھ تعمق اور گہرائی بطور خاص عطا فرمائی گئی تھی اور یہ اعلیٰ درجہ کا وصف ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کی تعریف میں او سعھم علماً کی بجائے اعمقھم علماً فرمایا ہے حضرات صحابہ کرام کو یہ شرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی بدولت نصیب ہوا بعد کے حضرات علم میں ترقی کر سکتے ہیں مگر شرف صحبت چونکہ ان کو حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے کسی ادنیٰ درجہ کے صحابی کے برابر بھی نہیں ہو سکتے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آپ سے اعلیٰ درجہ کی محبت اور عشق تھا جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو فنائیت پیدا ہو جاتی ہے جو کلید سعادت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی میں یہ وصف موجود تھا بعد کے لوگ صحابہ کرام کی زیارت اس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے یہ عشق اور محبت کی بات ہے اگر اصل محبوب نہ ملے تو اس کے دیکھنے والوں ہی کو ہی دیکھ لیا جائے جیسا کہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اس مرتبہ حاجی محمد افضل صاحب خلیفہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی عصر کی نماز کے بعد وہ خود ہی مسجد حسن میں بطور خاص تشریف لائے اور فرمایا کہ میں یہاں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ حضرت حکیم الامت تھانوی سے تعلق اور نسبت رکھنے والوں کا اجتماع ہے اس لئے حضرت کے دیکھنے والے بھی اس میں ضرور موجود ہوں گے اب حضرت تو موجود نہیں ہیں لیکن ان کے دیکھنے والوں سے ہی ملاقات کر لی جائے موصوف نے بڑی کام کی بات فرمائی یہ وہی عشق وفنائیت کا مقام ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا رہا تھا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری جب پاکستان اپنے گاؤں تشریف لائے تو لوگ ان کی زیارت کرنے آتے تھے کہ انہوں نے حضرت حکیم الامت کی زیارت کی ہے یہ محض نسبت کا لحاظ اور محبت کی بات ہے۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت اقدس تھانوی کے خلفاء میں حضرت خواجہ صاحب کے بعد فنائیت کی شان حضرت مفتی محمد حسن صاحب میں تھی حضرت اپنی اولاد کو بھی اسی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے جامعہ اشرفیہ کو بھی انہوں نے اسی طرز پر قائم رکھا حتیٰ کہ وصیت بھی فرمائی کہ حضرت تھانوی سے خوب تعلق رکھنے والے اساتذہ کو جامعہ میں رکھا جائے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو اپنے شیخ سے کس قدر عقیدت و محبت تھی۔

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو بڑا علم اور فقہ سے بڑی دلچسپی اور خاص مناسبت عطا فرمائی تھی حکیم الامت حضرت تھانوی کے مدرسہ میں جن حضرات نے فتاویٰ کا کام سیکھا اور فتاویٰ لکھے حضرت مفتی صاحب کا شمار بھی انہیں میں ہوتا تھا حضرت حکیم الامت کے آخری دور حیات میں مفتی صاحب نے وہاں فتاویٰ کا کام کیا حضرت کو ان پر بہت خاص اعتماد تھا بہت سے کاموں میں حضرت نے ان کو شریک رکھا مسودہ قانون وقف، احکام القرآن کی تالیف اور فتاویٰ لکھنے میں حضرت کا ان پر اعتماد بہت بڑی بات ہے حضرت مفتی صاحب نے فتاویٰ کا کام بہت ہی محنت سے کیا تقسیم ملک کے بعد پاکستان جامعہ اشرفیہ میں اس کام پر بہت ہی محنت فرمائی ایک ایک مسئلہ پر رسالہ بلکہ کتاب تحریر فرمادی افسوس کہ ان کے فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ نہیں ہے ورنہ امت کیلئے یہ بہت بڑا علمی وفقہی ذخیرہ اور ان کیلئے صدقہ جاریہ ہوتا۔ اب ان کے فتاویٰ کی جمع کا کام شروع ہوا ہے خدا کرے کہ تکمیل ہو جائے اور طبع ہو کر مسلمانوں تک جلد پہنچ جائے حضرت مفتی صاحب کی وفات سے بہت بڑا خلا ہو گیا ہے حضرت حکیم الامت تھانوی کو جن حضرات سے خاص تعلق اور اعتماد تھا ان کا سلسلہ حضرت مفتی صاحب کی وفات پر ختم ہو گیا۔

اماجی پیرانی صاحبہ

احقر کا بچپن تھانہ بھون میں گذرا حضرت اقدس تھانوی کے گھر بھی خوب آنا جانا تھا حضرت اماں جی پیرانہ صاحبہ بھی بڑی شفقت فرماتی تھیں ان کی عنایات کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا چنانچہ ایک مرتبہ ٹوبہ سے واپسی پر براستہ ساہیوال سرگودھا تشریف لے جارہی تھیں ساہیوال پہنچ کر فرمانے لگیں کی یہاں عبدالشکور بھی تو رہتا ہے ان کے گھر چلنا ہے چنانچہ گھر پر قدم رنجہ فرما کر احسان عظیم فرمایا احقر کو اس دن جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے مجھے یوں محسوس ہوا کہ حضرت تھانوی تشریف لے آئے ہیں یہ'' کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید'' والی بات تھی اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے درجات کو بلند فرماویں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

پھر مولانا وکیل احمد صاحب سے فرمایا کہ آپ کی والدہ صاحبہ بھی چونکہ تھانہ بھون میں مقیم تھیں اس لئے ہم بچپن میں آپ کے گھر بھی بے تکلف چلے جاتے تھے آپ کی والدہ بھی ہم پر بہت شفقت فرماتی تھیں حضرت پیارے میاں نے حضرت والد صاحب سے پڑھا بھی تھا اس لئے وہ خاص محبت فرماتے تھے اصل چیز یہی اللہ والوں سے تعلق ہی ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ہمیں اس کا نفع عطا فرمائیں۔آمین

(ماخوذ:از حیات ترمذی)

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبارالجامعہ

۶/جمادی الاخریٰ: حضرت صدر جامعہ مدظلہم کے صاحبزادے عزیزم حافظ سید عبدالباسط ترمذی سلمہ کی تقریب نکاح کوٹ ادو میں منعقد ہوئی، حضرت مدظلہم نے حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ مظاہر علوم کوٹ ادو سے نکاح کے لیے درخواست کی، جسے حضرت نے خوشی سے منظور کیا اور نکاح پڑھایا۔ مورخہ ۸/جمادی الاخریٰ کو جامعہ میں عزیزم سلمہ کا ولیمہ ہوا جس میں طلبہ علماء اور احباب نے شرکت کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ زوجین کو اتفاق واتحاد اور باہمی محبت کی برکات سے نوازیں، آمین۔

۱۰/حضرت مدظلہم نے مدرسہ خالد بن ولید بھاگٹانوالہ میں تقریب دستار بندی سے بیان فرمایا۔ ۱۱/مدرسہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی میں ماہانہ اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔ ۱۳/جامعہ میں ہفتہ وار اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔ ۱۷/مدرسہ تعلیم القرآن سلانوالی کے سالانہ جلسہ سے بیان فرمایا۔ ۲۰/جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرمائی۔ ۲۱/دارالعلوم کبیر والا میں سالانہ جلسہ واختتام بخاری کے موقع پر بیان فرمایا۔ ۲۴/جامعہ کے ۵ طلبہ کو قرآن کریم مکمل کرنے پر آخری سبق پڑھا کر بیان فرمایا۔ ۲۷/جامع مسجد گنبد والی فروکہ میں جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا۔ ۲۹/جامعہ حقانیہ للبنات چوہال میں اختتام بخاری شریف کے موقع پر بیان فرمایا۔

جامعہ حقانیہ محلّہ قلعہ والا: جامعہ ھٰذا کے دو صحنوں اور برآمدوں کا فرش خراب ہو چکا تھا اس لیے اب دوبارہ نیا فرش لگایا جا رہا ہے جو آخری مراحل میں ہے۔

جامع مسجد ترمذی: ساہیوال حقانیہ ٹاؤن فروکہ روڈ پر جامع مسجد ترمذی کے تہہ خانہ 94x76 کی چھت کے بعد اوپر کی تعمیر کا کام زیر غور ہے۔ جس میں مسجد کے ہال، برآمدے پہلی اور دوسری منزل کی تعمیر کا کام ہے، تخمینہ لاگت تقریباً ساڑھے تین کروڑ روپے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موت مومن کا تحفہ

ازافادات

شیخ العرب و العجم مناظر اسلام

حضرت مولانا علامہ محمد عبدالستار تونسوی نوراللہ مرقدہ

موت ایک اٹل حقیقت ہے، موت مومن کے لیے تحفہ ہے، موت کے بغیر اللہ کا دیدار نہیں ہوسکتا، موت کے بغیر جنت کا داخلہ نہیں ہوسکتا، موت میدان قیامت میں دنبے کی شکل میں لاکر ذبح کر دی جائے گی، پھر کسی پر موت نہ آئے گی، حضرات انبیاء علیہم السلام بھی موت سے مبرا نہیں، ان پر بھی موت آئی ہے۔

(مرسلہ: سید عبدالباری ترمذی)

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کا تبلیغی و اصلاحی

61 واں سالانہ جلسہ تقسیم اسناد

بتاریخ: 3/4 شعبان المعظم 1436ھ / 22/23 مئی 2015ء بروز جمعہ، ہفتہ

اسماء گرامی علماء کرام و مشائخ عظام

استاذ العلماء حضرت مولانا صالح محمد قریشی مدظلہم

عارف باللہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم

خطیب اسلام حضرت مولانا قاضی عبدالرشید مدظلہم

ولی کامل حضرت مولانا خلیل الرحمٰن انوری مدظلہم

مناظر اسلام علامہ مولانا محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہم

استاذ العلماء حضرت مولانا قاری محمود احمد مدظلہم

الداعی الی الخیر: احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ خادم جامعہ ھٰذا